قرآن مجید میں مقامیت و آفاقیت

مہر محمد حسین، ایم اے ۔ فاضل دیوبند ۔ علماء اکیڈمی منصورہ لاہور

"قرآن مجید کے اس دعوے سے ہر کوئی واقف ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے آیا ہے لیکن جب کوئی شخص اس کو پڑھنے بیٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کا روئے سخن زیادہ تر اپنے زمانۂ نزول کے اہل عرب کی طرف ہے ۔ وہ اکثر ایسی باتیں کہتا ہے جو عرب ہی کے مذاق، عرب ہی کے ماحول، عرب ہی کی تاریخ اور عرب ہی کے رسم و رواج سے ربط و تعلق رکھتی ہیں ۔ اس معاملے کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ شاید اس شک میں پڑ جائیں کہ قرآن دراصل اپنے ہم عصر اہلِ عرب کی اصلاح کے لیے تھا جس کی تعلیمات کو کھینچ تان کر عالمگیر بنا لیا گیا ہے"۔ (تفہیم القرآن)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی شیون و صفات، امکانِ قیامت اور اپنی قدرتِ کاملہ و واسعہ کے سلسلے میں جن آثارِ کائنات اور دیگر شواہد کا ذکر کرتا ہے ۔ وہ ہیں مختلف رنگوں کے پہاڑ، تیز و تند ہوائیں، گرجتے برستے بادل، عجیب الخلقت اونٹ، دور دور تک پھیلی ہوئی زمین کی وسعتیں، حدودِ آفاق تک تنا ہوا نیلگوں آسمان کا شامیانہ، ٹوٹتے شہاب، دمکتے ستارے، گھٹتا بڑھتا چاند، ہر وقت نظروں کے سامنے رہنے والا آفتاب، صبح و شام چراگاہوں کو جاتے اور واپس لوٹتے گایوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ، میدانِ جنگ میں دوڑتے بھاگتے گھوڑے وغیرہ اور یہ سب کے سب ریگزار و کوہسارِ عرب کے مناظر ہیں ۔ اسی

طرح جن امم سابقہ ــــــــ قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوطؑ، قومِ شعیبؑ یا جن انبیاء کے حالات سے قرآن بھرا ہوا ہے، وہ بھی زیادہ تر تاریخ عرب ہی کی اقوام اور انبیا ہیں۔ بُت پرستی اور دوسرے مشرکانہ عقاید، انکارِ قیامت، دخترکُشی، حلال و حرام کا خود ساختہ نظام، عائلی زندگی کی قباحتیں وغیرہ بھی وہی اوہام و ظنون اور وہی رسوم و رواج ہیں جو عربوں میں رائج تھے۔

ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ دُنیا کا کوئی فلسفہ اور کوئی نظامِ زندگی ایسا نہیں جو از اوّل تا آخر تجریدی (ABSTRACT) انداز میں بیان کیا گیا ہو اور جس کی کسی متعین صورت یا حالت پر اس کو چسپاں کر کے توضیح نہ کی گئی ہو۔ اگر ایسا کیا جائے تو وہ فلسفہ صرف صفحۂ کاغذ پر ہی جم کر رہ جائے گا۔ انسانوں کی زندگی میں جذب ہو کر عملی نظام میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔

پھر کسی فکری و اخلاقی تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر پھیلانے کے لیے یہ بات کبھی مفید نہیں ہو سکتی کہ اُسے شروع ہی سے مکمل بین الاقوامی شکل میں پیش کیا جائے۔ اس کے نفاذ کا صحیح عملی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اُسے ایک خاص مُلک اور قوم میں نافذ کیا جائے۔ جس کے مزاج اور زبان اور عادات و خصائل سے اس کا داعی واقف ہو۔ اور یوں اس نظامِ زندگی کو عملاً چلا کر دُنیا والوں کو اس کی برکت و افادیت کا مشاہدہ کرا دیا جائے جیسا کہ نبیؐ آخر الزمان نے عرب معاشرے میں ایسا کر کے دکھا دیا۔ اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید نے ہمیشہ انہیں یٰٓایھا النّاس۔ یٰٓایھا الذین اٰمنوا، یٰٓاھل الکتٰب، یٰٓایھا الکافرون کے الفاظ سے مخاطب کیا اور ان میں کوئی خطاب ایسا نہیں جو عربوں سے مخصوص ہو بلکہ ایک عام اور ہمہ گیر اندازِ خطاب ہے۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ جس قسم کے شرک و کفر، اخلاقی بُرائیوں اور اوہام پرستی میں عرب مبتلا تھے، کیا وہ انسانیت کی عالمگیر بیماریاں نہیں ہیں۔ دورِ حاضر کی آخر وہ کونسی فکری و عملی گمراہیاں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ عربوں نے اگر اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک تسلیم کرتے ہوئے اس کے بعض نیک بندوں کو اس کا بیٹا تصوّر کر لیا اور اُسے

اس کی صفات کا مظہر قرار دے کر ان کے سامنے بندگی و پرستش کے تمام مراسم بجا لاتے تھے یا انہیں خدائے حقیقی تک رسائی کا ذریعہ سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے تو آج دنیا کا وہ کونسا مذہب ہے جس میں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا۔ حالت تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی بار بار کی تردید و تغلیط کے باوجود خود مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت آج اسی طرح کے شرک میں مبتلا ہے۔

اگر اس وقت کے عربوں کا یہ خیال تھا کہ ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر ۴۵:۲۴ اور من یحی العظام وھی رمیم ۳۶:۷۸ کہ ہماری یہ زندگی بس اسی دنیا تک محدود ہے۔ گردش دہر سے ہم مرتے اور مٹتے چلے جاتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جانے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہو سکے۔ آخرت وا خرت کوئی شے نہیں۔ تو کیا آج کا نام نہاد دانشور انسان بھی یہی نہیں کہتا کہ ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اور کیا وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر نہیں کہہ رہا کہ ؏

بابر بعیش کوش! کیں عالم دوبارہ نیست

خدا پرستی، صداقت اور نیکی کی دعوت دینے والوں کے متعلق اگر اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ انؤمن کما آمن السفھاء کہ کیا ہم بھی ان احمقوں کی طرح ایمان لائیں۔ تو کیا آج بھی ان اقدار کی دعوت دینے والوں کو "مذہبی دیوانے" تصور نہیں کیا جاتا۔

اگر اس وقت کا عرب رنگ و نسل کے امتیازات میں مبتلا تھا تو آج کے ہندوستان، جنوبی افریقہ بلکہ کل تک کے امریکہ کو دیکھ کر بتائیے کہ کیا آج کا انسان ان سے بھی زیادہ رنگ و نسل اور ذات پات کے تعصبات میں گرفتار نہیں اور کیا قرآن مجید میں دیا گیا مساوات انسانی کا یہ پیغام کہ یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ آج کی دنیا کے

لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔
عرب اگر کاروبار میں ہیرا پھیری کرتے اور ڈنڈی مارتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ دین و مذہب کو ہمارے اس آزاد کاروبار سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے تو کیا آج کی کاروباری دنیا میں ایسا نہیں ہو رہا۔ اور کیا آیۃ ویل للمطففین ...... الخ اپنے انذار ان کے لیے کوئی انتباہ نہیں رکھتی۔
عورت کی عصمت اگر اُس وقت کاروبار کی چیز تھی تو اب اُس سے بڑھ کر اس کا مول تول ہو رہا ہے۔ اس لیے آج بھی ضرورت ہے کہ اس گھناؤنے جرم پر الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ کی رُو سے کڑی سزائیں دی جائیں اور اس مکروہ کاروبار کی تمام راہیں مسدود کر دی جائیں۔
بعض طبائع تو شاید اس امر پر ناک بھوں چڑھائیں کہ قرآن نے قومِ لوطؑ کے ایک انتہائی مکروہ کردار —— ہم جنسیت —— اور اس پر اُن کی تباہی کو ریکارڈ کیا۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی یہی کافی شہادت ہے۔ کیونکہ خدائے علیم و خبیر کو علم تھا کہ "چہرہ روشن اندروں تاریک تر" رکھنے والی مستقبل کی تہذیب میں نہ صرف یہ کہ اس قبیح جرم کا ارتکاب کیا جائے گا، بلکہ اُس کو باقاعدہ قانونی جواز بھی مہیا کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ چند سال پیشتر تہذیب جدید کے علمبردار ملک جرمنی کی ریشتاغ میں اور ابھی حال ہی میں برطانیہ میں ہو چکا ہے۔ اور امریکہ سمیت مغربی ممالک میں ایسے ننگِ انسانیت لوگوں کی باقاعدہ تنظیمیں وجود میں آ چکی ہیں جو اس جرم کا ارتکاب ڈنکے کی چوٹ کرتی ہیں بلکہ اپنی حکومتوں سے اس کو تحفظ دینے کے مطالبے کی غرض سے پچاس پچاس ہزار افراد پر مشتمل جلوس نکالتی اور مظاہرے کرتی ہیں۔
الغرض ہمیں قرآن میں بیان کردہ کوئی ایسی عملی و اعتقادی گمراہی نظر نہیں آتی جو دنیا کی مختلف اقوام میں اب بھی موجود نہ ہو اور جو صرف اس دور کے عربوں ہی سے مخصوص ہو۔ اسی طرح قرآن مجید نے جن اعلیٰ اصولوں اور پاکیزہ اخلاق کی دعوت دی ہے وہ بھی ہرگز ایسے نہیں کہ وہ صرف عربوں ہی کے مزاج، معاشرے اور دور سے مخصوص ہوں۔

بلکہ وہ پوری انسانیت کے لیے امن و سکون اور فوز و فلاح کے موجب ہیں۔

جن مناظرِ فطرت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و واسعہ اور امکانِ قیامت پر دلیل و شاہد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے وہ بھی عالمگیر نوعیت کے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید کے مخاطب جہاں متمدن و ترقی یافتہ انسان ہیں وہاں مٹی کے گھروندوں یا کھلے آسمان تلے خیموں یا جنگلوں کے باسی بھی ہیں، اس لیے ایسے مناظرِ فطرت سے استشہاد کیا جن سے شہری و دیہاتی، ترقی یافتہ و غیر ترقی یافتہ، جاہل و عالم، یورپین و افریقی، کوہستانی و صحرائی تمام انسانوں کو واسطہ پڑتا ہے۔ آخر دنیا کا وہ کونسا گوشہ ہے جس کے دن سورج کی روشنی اور جس کی راتیں چاند اور ستاروں کی چاندنی سے نہ جگمگاتی ہوں اور وہ کونسا متمدن سے متمدن ملک ہے جہاں کے انسان انہی ہواؤں میں سانس لے کر نہ جی رہے ہوں، جو کبھی تیز و تند طوفان کا روپ دھار لیتی ہیں اور کبھی نسیم جاں فزا کے جھونکے بن کر روحوں میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ اس مشینی دور میں بھی جانور انسانوں کی ناگزیر ضرورت ہے۔ اور انتہائی ترقی یافتہ ممالک کے لوگ بھی گھوڑوں، گایوں اور بھیڑ بکریوں کے گلے کے گلے غذائی و تجارتی مقاصد کے لیے پالتے ہیں، جن کی چراگاہیں اور باڑے ——

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۱۶/۶

صبح و شام ان جانوروں کو لانے لے جانے وقت ایک دلکش منظر تمہارے سامنے ہوتا ہے۔

کا ایک حسین نظارہ لیے ہوئے ہیں۔